Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

اردو ادب میں نو تاریخیت

NEW HISTORICISM IN URDU LITERATURE

*حمیرا اسلم

پی ایچ ڈی (ریسرچ اسکالر)، ادارہ زبان و ادبیات اردو، ,پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

New Historicism in Urdu Literature is an interesting research work. It highlights the events in their true sense which is not presented by pure historians. Usually, Historians report the incidents, fights and wars as they are directed by their ruler. The prohibited and real picture of the event is presented by the literary persons in the form of poetry, prose, story, fiction and novels. In order to access the true picture of past events, it is mandatory to go through the literature of that era. In current research paper, it is tried and struggled to invite the attention of researchers that they should consult literature to comprehend the real sense of historical records.

Key words: *Literature, History, Poetry and Prose of Urdu*

کلیدی الفاظ: ادب، تاریخ، اردو شاعری اور نثر

تاریخ اور تاریخیت کا فرق

تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ا۔ ر۔ خ ہے۔ یہ باب تفعیل سے ہے جس کے معانی ماضی کے حادثات، واقعات اور نمایاں کارناموں کو باقاعدہ لکھنا اور ان کا ریکارڈ مرتب کرنا ہے۔ فیروز اللغات میں تاریخ کی تعریف یوں ہے:

1- (۱) مہینے کا ایک دن۔ (۲)- کسی چیز کے ظہور کا وقت۔ (۳)- وہ کتاب جس میں بادشاہوں اور مشہور آدمیوں کے حالاتِ زندگی درج ہوں (۴)- جُملے، شعر یا فقرے جن کے عدد نکالنے سے مادہ نکل آئے۔[1]

فرہنگ تلفظ میں تاریخ کی تعریف یوں ہے:

2- جنتری کی رو سے کسی دن کا عدد شمارا، روائداد، سر گزشت گزشتہ زمانوں کے حالات کی تحقیق و تالیف کا علم، عدالت میں پیشی کا دن۔ قواعد جمل کے مطابق حروف و الفاظ کو جوڑ کر کسی واقعے کا سال متعین کرنا۔[2]

القاموس الوحید میں تاریخ کی تعریف کچھ یوں ہے:

3- (1) وہ احوال و واقعات جن سے کوئی فرد یا قوم گزرتی ہے۔ (2) بیان واقعات، مرتب احوال و کوائف[3]

اردو انسائیکلوپیڈیا فیروز سنز سن اشاعت 1926ء میں تاریخ کی تعریف یوں ہے:

4۔ عربی زبان کا لفظ جس کا مضارع ارخ سے ہے۔ تاریخ کے لغوی معنی کسی واقعے، حادثے تحریر کا دن متعین کرنا ہے۔ اصطلاح میں تاریخ عہد ماضی کے واقعات اور حادثات کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ تاریخ انسانوں کی، حیوانوں کی بھی ہو سکتی اور نباتات و جمادات کی بھی، تاریخ کا اطلاق انسانی زندگی سے متعلق واقعات پر ہوتا ہے۔[4]

5۔ "انسانی خطا پذیر شہادت و فہم کے مطابق قصہ ہائے پارینہ کا زیادہ سے زیادہ صحت کے ساتھ بیان تاریخ کہلاتا ہے۔[5]

6- "تاریخ صرف اس بات کا جواب ہے کہ اس کائنات میں واقعات کیسے رونما ہوئے"۔[6]

گویا تاریخ کسی خطے یا معاشرے کے ماضی کے حالات و واقعات کی تفصیلات، توضیحات اور تشریحات کا نام ہے۔ ابتدا میں انسان نے اجتماعی صورت میں رہنا شروع کیا تو اس نے منفرد افراد اور ان کے کارناموں کو یاد رکھنے اور اگلی نسل تک پہنچانے کے لیے قصے کہانیاں ایجاد کیں۔ یوں یہ واقعات نسل در نسل منتقل ہونے لگے۔ وقت آگے گزرا تو انسان نے اپنے تجربات و مشاہدات کو بھی سبق آموز داستانوں کی صورت اپنی اگلی نسلوں تک پہنچانا شروع کیا۔ بعد ازاں یہ قصے کہانیاں طویل رزمیہ نظموں میں تبدیل ہو گئے اور ادب کی لافانی شکل اختیار کر گئے۔ یوں اگر کہا جائے کہ تاریخ ادب کا حصہ تو غلط نہ ہو گا۔ ادب خواہ وہ قطب شاہی دور کا ہو یا میر و سودا یا غالب و ظفر و ذوق کے زمانے کا، یا سر سید و حالی کے زمانے کا، یا بعد کے زمانے کا، اپنے تاریخی اور تہذیبی حالات کا زائیدہ ہوتا ہے۔ میر و سودا کے زمانے کی ترجیحات وہ نہیں ہیں جو سر سید و حالی کے زمانے کی ہیں۔ تاریخ و تہذیب کے ساتھ ساتھ ادب کے رویے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ادب سو فیصد تاریخ کے تابع نہ سہی تاریخ سے متاثر ضرور ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تاریخ اور ادب میں ایک معنی خیز ربط سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پندرھویں صدی میں جب علوم میں بے پناہ اضافہ ہوا اور مختلف علوم کو تحقیقی و تنقیدی حوالوں سے پرکھا جانے لگا تو کئی سماجی و عمرانی مضامین کی سائنسی تاویلیں پیش ہوئیں اور انھیں ادب کی ذیل سے نکال کر سائنس کے دائرے میں شامل کر دیا گیا۔ تاریخ بھی انھی علوم میں سے ہے جو باقاعدہ علم، فن اور سائنس کا درجہ اختیار کر گئی۔ ورنہ اس سے پیشتر اسے محض قصے کہانیوں اور ادب کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔

اردو انسائیکلوپیڈیا میں اس بارے میں لکھا ہے:

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

> "انسانی معاشرے کی قدیم تاریخ تو وہ پتھر، ہڈی اور لکڑی کے ہزاروں سال پرانے ٹکڑے ہیں۔ جن کو انسان نے سب سے پہلے آلات کے طور پر آویزاں کیا۔ یہ تحریریں کم وبیش پانچ چھ ہزار سال پرانی ہیں۔ ان تحریروں سے انسان کی قدیم طرز معاشرت، رسوم ورواج، عقائد واوہام اور سیاسی معاشی کوائف پر روشنی پڑتی ہے"۔[7]

محولا بالا بحث سے ثابت ہوا کہ تاریخ ان زمانی تبدیلیوں اور عہد بہ عہد واقعات کا نام ہے جو مختلف ادوار میں افراد، طبقوں اور قوموں کی زندگیوں میں وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں سیاسی ، سماجی، مذہبی، اقتصادی، علمی، تہذیبی لحاظ سے مرتب ہوتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے پس منظر میں مختلف اقوام یا افراد جو طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، واقعات عالم اسی کارِ دِ عمل ہوتے ہیں۔ گویا علم تاریخ، گزر چکے حالت وواقعات اور ماضی کا حصہ بن چکے حادثات وکیفیات پر مبنی علم ہے۔ اہل تحقیق نے تاریخ انسان کے دو دور قائم کیے ہیں۔ ایک عہد تاریخی کہلاتا ہے۔ جس کے حالات وواقعات تاریخوں میں محفوظ ہیں گویا کہ وہ ناقص اور نامکمل ہی کیوں نہ ہوں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو مقدم التاریخ کہلاتا ہے یعنی جس وقت کے بابت کوئی روداد لکھی ہوئی موجود نہیں۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے وہ آثار قدیمہ کی چھان بین اور طبقات ارض کی کھود کھاد سے تحقیق ہوا ہے۔ یعنی پرانی یادگاروں اور زمین کے نیچے دبی ہوئی چیزوں سے نہایت قدیم زمانے کے انسانوں کے افعال وحرکات کا پتہ لگایا گیا اور ان چیزوں پر قیاسات کے ذریعے نتائج اخذ کیے گئے جس سے تاریخ کا سلسلہ مرتب ہوا۔ یہ قیاسات اسی طرح قابل قبول ہیں جس طرح کسی زندہ قوم کے افعال وحرکات سے اس کی عقل وفراست اور اس کی معاشرت پر قیاس لگائے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "ادب اور تاریخ کے رشتے کے بارے میں دو تنقیدی رویے چلے آتے ہیں جو متخالف بھی ہیں اور متضاد بھی۔ اول یہ کہ ادب تاریخ کا زائیدہ ہے اور ادب کا وہی مطالبہ صحیح اور مناسب ہے جو تاریخی اور سماجی تناظر کے ساتھ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ادبی متن ایک نامیاتی کُل ہے۔ یہ آزاد اور خود مختار ہے اور ادبی مطالبہ ادبی اصولوں کی مدد سے آزادانہ کرنا چاہیے نہ کہ خارجی یعنی تاریخی (سماجی وسیاسی) اصولوں کی مدد سے"[8]

گویا تاریخ رقم کرتے ہوئے مورخ کو اقتصادی سیاسی اور تہذیبی عوامل کے ساتھ عصری تقاضوں کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے یعنی تاریخ لکھتے ہوئے اپنی ذاتی پسند یا ناپسند سے قطع نظر معلوم واقعات کو غیر جانبدارانہ طور پر بیان کر دینا ہی اصل تاریخ ہے۔ عصری تقاضے، غلط اور درست رویے اور مفروضات کی بنیاد پر قائم کیے گئے نتائج کبھی محسوس اور کبھی نامحسوس طور پر مورخ کے ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح تاریخ کے دورانیے میں سیاسی واقتصادی حالات ایک خاص سوچ کو ابھارتے ہیں۔ جس میں کسی حد تک جانبداری کا پہلو شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن تاریخ، چونکہ ادب کا حصہ ہے لہٰذا ادب کا مطالعہ آزادانہ ہونا چاہیے اس میں جانبداری نہیں ہونی چاہیے۔ اگر تاریخ کو اس کی ہو بہو شکل میں بیان کر دیا جائے تو اسے (MIMESIS) یعنی نظریہ نقل کہا جاتا ہے جو افلاطون کے زمانے سے چلا آتا ہے اور دوسرا جو ادب کو جانبداری کے تحت پر کھا جائے فارملزم یا ہیئت پسندی کہلاتا ہے اور یہ ارسطو کے دور سے چلا آرہا ہے۔ ریلزم کے تمام دبستانوں کا تعلق اصول نقد سے جبکہ فارملزم کے تمام دبستانوں کا تعلق اصول نقد سے ہے۔ جن پر ہیگل اور کارل مارکس کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

ہیڈن وہائٹ نے تاریخ کو مکمل طور تخیلی قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک تاریخ دان معلوم حقائق کے ساتھ تخیلی واقعات کے گٹھ جوڑ سے تاریخ رقم کرتا ہے یوں تاریخ حقیقی اور غیر حقیقی واقعات کی خیالی تصویر ہوتی ہے جو قارئین کے سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ اپنی بات کو سمجھانے کے لیے ہیڈن وہائٹ نے تاریخ نگاری کو چار اجزا میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1۔ کرونیکل:

تاریخی واقعات کو ترتیب وار لکھنا کرونیکل ہے۔ ان کے آغاز اور اختتام کے بارے میں واقعات کا بیان مورخ کے اختیار میں ہے کہ وہ کس واقع سے آغاز کرے گا، کون سے واقعات حذف کرنا ضروری ہیں اور کہاں اختتام ہو گا۔

2۔ کہانی:

کرونیکل کو کہانی کی شکل میں پیش کرنا" کہانی " کہلاتا ہے۔ اس میں واقعات کو ان کی اہمیت کے مطابق ترتیب وار لکھا جاتا ہے۔ اور اس ترتیب میں ایک کہانی کا رنگ شامل کر دیا جاتا ہے تاکہ قاری کی دلچسپی قائم رہے۔

3۔ پلاٹ کاری:

کہانی میں المیہ، طربیہ یا مضحک کیفیات کو واضح کرنے کے لیے مخصوص بیانیے کو پلاٹ کاری کا نام کیا جاتا ہے۔

4۔ وضاحت:

تاریخ دان تاریخ رقم کرتے ہوئے تاریخ اور اس عہد کے سیاسی وسماجی رویوں کے درمیان علت اور معلول کے تعلق کو واضح کرتا ہے۔ وہ تاریخی کرداروں کے تعارف کے ساتھ ان کی شخصیت کی نمائندہ خوبیوں یا خامیوں کو ان کے عہد کے معاشرتی رویوں کے تناظر میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

5۔ آئیڈیالوجی:

ہر تاریخ دان کا اپنا نظریہ ہوتا ہے جو تاریخی واقعات کی ترتیب، انتخاب اور انجام کے درمیان چُھپا ہوتا ہے۔ اسے آئیڈیالوجی کہتے ہیں۔ یوں کہا جائے کہ کوئی تاریخ آئیڈیالوجی کے بغیر نہیں ہوتی تو درست ہو گا۔ کیونکہ وہائٹ کے خیال کے مطابق واقعات خود کو نمایاں نہیں کرتے تاریخ دان انھیں ظاہر کرتا ہے۔ اور انھیں ظاہر کرنے کے لیے وہ بیانیہ طریقہ کار اپناتا ہے۔

Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

محولا بالا بحث سے ثابت ہوا کہ ہیڈن وہائٹ کا" نظریہ تاریخ" افلاطون کے نظریہ تاریخ سے ملتا ہے۔ افلاطون نے ادب کو تاریخ کا تابع قرار دے کر اس کے پاؤں میں کڑیاں ڈال دیں۔ اور اس کے ساتھ کم و بیش وہی سلوک کیا جو ایک اعلیٰ حیثیت شخص اپنے غلام کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کے برعکس ارسطو نے ادب کو تاریخ کی قید سے آزاد کر کے خود مختار بنا دیا۔ یوں ادب اور تاریخ کی آویزش کے نتیجے میں نقادوں کو ارسطو اور افلاطون کے خیالات نے بُری طرح متاثر کیا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیز اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ ادب و تاریخ کی ہم بستگی کے ضمن میں تنقیدی فکر نے افلاطون اور ارسطو کے خیالات پر ہی بڑی حد تک انحصار کیا۔ بنیادی طور پر یہ سوال زیر بحث رہا کہ آیا ادب تاریخ کا دست نگر ہے یا آزادانہ خود مختار، انیسویں صدی کے ساں بو، طین، اور بیسویں صدی کے مارکسی نقادوں نے ادب کو تاریخ کے تابع قرار دیا، مگر نئی تنقید اور روسی ہیت پسندی کے نظریات نے ادب کی آزادی اور خود مختاری کا علم بلند کیا۔۔۔"[9]

تاریخ کے لیے "تاریخیت" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ "تاریخیت" تاریخی واقعات کا بیان نہیں بلکہ اس کا تعلق تاریخ پڑھنے پڑھانے سمجھنے یا سمجھانے سے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تاریخ سے متعلق مطالعاتی اور تجزیاتی علوم کا نام تاریخیت ہے تو غلط نہیں ہو گا۔ گویا تاریخیت کے تحت تاریخ کو سمجھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں مختلف نظریات قائم کیے جاتے ہیں یوں زمانی اور مکانی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ تاریخیت نے ہی اس خیال کو پذیرائی دی ہے کہ تمام تاریخی واقعات اپنے دور کے سیاسی و سماجی اتار چڑھاؤ کی وجہ سے نمو پذیر ہوتے ہیں۔ معاشرے سے سیاسی، مذہبی، اقتصادی یا سماجی اثرات اس قدر غلبہ پاتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے عہد میں تبدیلیوں کا موجب بنتے ہیں بلکہ آنے والے دور کے اصول وضوابط، اور اقدار و روایات اور علوم وفنون کو متعین کرنے میں بھی نمایاں کردار ادا کرتے ہیں، اسی کا نام تاریخیت ہے۔ تاریخیت کے ارتقائی سفر میں مارکسی تحریک نے اس پر گہرے اثرات چھوڑے۔ یوں ہیگل، گوئٹے اور کارل مارکس کے خیالات تاریخیت پر حادی ہو گئے۔ بعد ازاں جدلیاتی تاریخیت کا تصور ابھر کا سامنے آیا جس کے مطابق تاریخ دائمی طور پر متحرک تغیر پذیر اور ارتقائی سفر میں ہے۔ یوں دیکھا جائے تو تاریخیت تاریخ ہی کو محیط نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر سارے سماجی اور ثقافتی علوم اس کے دائرہ اثر سے نکل نہیں سکتے۔ تاریخیت کے دو اصول طے کیے گئے ہیں جن کے بارے ڈاکٹر ناصر عباس یوں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ بیسویں صدی میں مختلف نظریات کے تعامل سے جو تاریخیت سامنے آئی، اس کے دو امتیازی اوصاف تھے۔ اول یہ کہ تاریخیت ایک منہاج حیاتی اصول ہے جو کسی مظہر یا واقعے کو اس کے زمانی تناظر میں سمجھتا اور اس کی تعبیر کرتا ہے۔ دوم تاریخیت ہر واقعے کو (سماجی و ثقافتی) کل کی نیت سے سمجھتی ہے اور اسے کل کی تشکیل کا ایک مرحلہ گردانتی ہے، جس میں اس واقعے نے کوئی مخصوص کردار ادا کیا اور اپنی مخصوص معنویت قائم کی۔ یوں تاریخیت دراصل تاریخ کی فلسفیانہ بصیرت دریافت کرنے سے عبارت ہے"۔[10]

پس ثابت ہوا کہ "تاریخیت" توضیح، تعبیر اور تعین قدر کا نام ہے۔ ہر چند کہ تاریخیت طبعی سائنسوں کے طرز تحقیق کی پیروی سے اعتراض برتتی ہے اور اپنا ایک الگ طریقہ اختیار کرتی ہے لیکن یہ سائنسی طرز فکر کو ترک کرنے پر بھی آمادہ نہیں۔ سائنسی طرز فکر کا ایک اصول یہ ہے کہ ہر واقعے کو اس کی علت اور پس منظر کی رو سے سمجھا جاتا ہے۔ تاریخیت کا ایک مقصد ثقافتی رابطے کو واضح کرنا تھا اس تصور کو آگے بڑھاتے ہوئے مابعد جدید رویہ تاریخیت کے بارے میں نئی فکر کو سامنے لایا ہے۔ جس کے تحت نئی تاریخیت نے جنم لیا ہے۔ نئی تاریخیت ادب کو اس کے خارجی منظر سے منسلک قرار دیتی ہے۔ لیکن یہ ادب اور تاریخ، میں براہ راست رشتے کی قائل نہیں ہے اس کے مطابق ادب سماجی صورت حال اور تاریخی قوتوں کا صاف اور سچا عکس نہیں۔ دراصل نئی تاریخ ادب اور تاریخ کے باہمی ملاپ یا تعلق کے حوالے سے وہی خیالات رکھتی ہے جو ساختیات اور پس ساختیات نے دیے ہیں۔ پروفیسر عتیق اللہ نئی تاریخیت کی تعریف کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"نو تاریخیت قرات کا ایک خاص طریقہ ہے جس کا اصرار متن کے نہایت غائر مطالعے پر ہے۔ نو تاریخیت یہ بتاتی ہے کہ کسی بھی فن پارے کو کس طرح پڑھنا چاہیے اور دیگر متون جیسے اقتصادیات، طبی دستاویزات اور قانونی کتابچوں وغیرہ کے علاوہ متنی سیاقات کی روشنی میں اس کی تفہیم کیسے کی جا سکتی ہے۔"[11]

ساٹھ کی دہائی میں ساختیات اور اس کے بعد پس ساختیات کا نظریاتی نعرہ بلند ہوا جس کی بنیادیں انفرادیت پرستی پر قائم تھیں۔ ساختیاتی اور پس ساختیاتی فکر نے ادب میں ثقافتی افکار کو ابھارا لیکن چونکہ یہ مطالعات یک زمانی تھے اور رد تشکیل کا انحصار صرف متن پر تھا چنانچہ نئی تنقید اور رد تشکیل سمیت تمام رویوں کے خلاف جو فقط زبان یا متن پر زور دیتے تھے ایک بغاوت رونما ہوئی نتیجے میں ادبی مطالعہ کا جو نیا طریقہ سامنے آیا اس کو نئی تاریخیت کہا گیا۔ اس تبدیلی کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے تاریخ اور تاریخیت کو وسیع تناظر میں سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

1۔ پرانی تاریخیت میں عام طور پر مورخین اور نقادوں کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنے سے پہلے عہد کا مطالعہ کرتے ہوئے خود اپنے زمانے کے کلچر اور اپنے مفروضات کو غیر شعوری طور پر سابقہ زمانوں پر مسلط کر دیتے ہیں جو معروضیت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ نو تاریخیت نے یہ حدود قائم کیں کہ ادب کو معروضی ہونا چاہیے یعنی جیسا ادب مطلوبہ دور میں بیان کیا گیا ہے اس کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ذاتی پسند ناپسند سے بالاتر ہو کر پرکھا جائے اور نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

2۔ پرانی تاریخیت میں تحقیق کار اصل متن کو پیش کرنے کی بجائے ذاتی طور پر اگر کسی شخصیت کو پسند کرتا تو اس کی خوبیاں اور اس کی تحریر کے اوصاف پر ہی قلم اٹھاتا اور اگر اسے کسی شخص سے ذاتی عناد ہوتا تو وہ اس کی خامیوں کو ہی نشانہ بناتا نئی تاریخیت نے اس خیال کو رد کر کے غیر جانبداری کی راہ دکھائی۔

3۔ پرانی تاریخیت میں ثقافت، زبان اور تاریخ کو باہم مربوط نہیں کیا جاتا تھا لیکن نئی تاریخیت کے مطابق زبان ثقافت کی متعین کردہ ہے اور ادب بھی ثقافت کا متعین کردہ ہے اور ثقافت تاریخ کے گرد گھومتی ہے۔ گویا ادب ثقافت کے بغیر ممکن نہیں اور ثقافت تاریخ کے بغیر کچھ نہیں۔

4۔ پرانی تاریخیت میں نشانات کی کوئی حیثیت نہیں تھی نئی تاریخیت نے "نشانات" کا تصور پیش کیا یعنی جس طرح زبان تمام لسانی ساختوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور اسے کوئی متکلم پیدا نہیں کرتا بلکہ یہ بولنے کے عمل سے بھی پہلے موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح ثقافت بھی کسی خاص عامل، شاعر یا ادیب کے ذریعے پیدا نہیں ہوتی بلکہ نشانات کے باہمی روابط کے نظام کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ ثقافت کے نشانات سے مراد وہ تمام رسوم ورواج ہیں جنھیں اس عہد کے تمام لوگ سمجھتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

5- پرانی تاریخیت میں مورخین ایک واقعے کو مختلف انداز میں نہیں جانچتے تھے۔ لیکن نئی تاریخیت تاریخی حقیقت کے دوسرے رخ کو بھی سامنے لاتی ہے۔ یوں بہت سے نئے مفاہم پیدا ہوتے ہیں جو زیادہ بہتر طور پر متعلقہ عہد اور اس کے مضمرات کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

6- پرانی تاریخیت میں صرف تاریخی واقعات کو سمجھا جاتا تھا لیکن نئی تاریخیت کے مطابق ادب نہ صرف ثقافتی طور پر پیدا ہوتا ہے بلکہ یہ ثقافتی اطوار کو بھی پیدا کرتا ہے۔ لٰہذا ادب کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک زمانے کے مخصوص ثقافتی طریقوں، متون اور ان سے ادب کے پیچیدہ رشتوں کے عمل در عمل کو نظر میں نہ رکھا جائے۔

7- پرانی تاریخیت میں تاریخ اور ثقافت کو قاری کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا لیکن نئی تاریخیت کی بنیاد اس تصویر پر ہے کہ ادب ثقافتی ماحول میں رہتے ہوئے ہی مخصوص ادب لکھا جا سکتا ہے ورنہ یہی ثقافتی نظام ذہن وشعور کے دوسرے ظواہر میں بھی کارفرما رہتا ہے اور وہ ظواہر بھی اپنی جگہ پر ثقافت کو پیدا کرتے ہیں۔ ثقافت اور تاریخ کے اس عمل کا تعلق ساختیاتی فکر سے ہے۔ اسی نئے تصور کے تحت ادب کا سیاسی ،سماجی، معاشی، مذہبی اور فنی مطالعہ کر کے ان کے آپس کے پیچیدہ اور گہرے رشتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی۔

8- نو تایخیت ادب کی ادبیت کو متاثر کیے بغیر اس کا مطالعہ اور تجزیہ تاریخ کے تناظر میں کرتی ہے جبکہ پرانی تاریخیت میں ایسا نہیں ہے۔

9- پرانی تاریخیت کے تحت نقادوں نے ماضی میں قدر و قیمت کو ترک کر دیا تھا مگر اب وہ دوبارہ اس کا التزام کرنے لگے ہیں۔

10- نو تاریخیت کے تاریخ نویس شواہد و دلائل کو مد نظر رکھتے ہوئے تحقیق کرتے ہیں جبکہ ان کے تجزیے تجربے پر منحصر ہوتے ہیں۔ لیکن پرانی تاریخیت میں ایسا نہیں تھا۔

11- تاریخ محض ماضی میں گزرے واقعات کا بیان نہیں بلکہ یہ ان مورخین کے بیانات کا مجموعہ ہے جو مختلف بیانیوں کے زیر اثر متشکل ہوئے ہوتے ہیں۔ یعنی کسی واقعے کا بیان ہم تک ایسے مورخین کے ذریعے پہنچتا ہے جو خود مخصوص قسم کے مذہبی سیاسی، سماجی نظریے کا داعی ہوتے ہیں جو سماج کی بنیادی ثقافت کو بھی اپنی منشا سے ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ نو تاریخیت کے تحت سامنے آنے والے تنقیدی رجحانات کی روشنی نہ صرف کسی فن پارے کا تفہیم و تجزیہ آسان ہو جاتا ہے۔ بلکہ تاریخ کے کسی خاص واقعے سے متعلق معروضی حقائق سے بھی پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ عام طور پر تاریخ کے وہ حصے جو ہم تک پہنچائے جاتے ہیں وہ ان مخصوص عقائد کے تابع ہوتے ہیں جن سے کسی بھی عہد کا مورخ متاثر ہو سکتا ہے۔ تاریخ کے یہ تعصبات نہ صرف حقیقی تاریخ کو دھندلا کر دیتے ہیں بلکہ ان اضافی حقائق کو تاریخ کے آئینے سے باہر قرار دیتے ہیں۔ یوں جھوٹ پر مبنی حقائق کو اصلی واقعات بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سب استعماری طاقتوں کے دباؤ میں آ کر بھی کیا جاتا ہے۔ لٰہذا نو تاریخیت ادبی متون کے ذریعے تاریخ کے انھی پیچیدہ نکات کو بازیاب کرنے کا عمل ہے جس سے تاریخ کا معروضی مطالعہ بے حد آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی غیر جانب دارانہ تفہیم، تنقید اور تجزیے کو آسان بنا دیتی ہے۔ DICTIONARY OF LITERARY TERMS میں اس حوالے سے لکھا گیا ہے:

> "It brackets together literature, literature, ethnography , anthropology, art, history and other disciplines and other Sciences in such a way that its politics , its novelty , its historical and its relationship to other prevailing ideologies all remain open questions.New Historicists underscore or principled flexibility, a sharp eye to the distortion in all perspectives."[12]

12- نئی تاریخیت نے جہاں تاریخ کی قطعیت اور حتمیت کے تصور کو پس پشت ڈالا وہیں معاشرے کے کسی مورخ کی جانب سے تاریخ کے واقعات یا مختلف ادوار کے بارے میں استناد کے دعووں کو جھٹلا دیا۔ یوں ایک بات واضح ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ نو تاریخیت، تاریخ کو ایک متن کے طور پر دیکھتی ہے اور اس کے نزدیک اگر کسی متن کی حیثیت ہے تو وہ ادبی متون ہیں جو کسی بھی دور کی معروضی تاریخ کے حقیقی عکاس ہوتے ہیں۔

13- نو تاریخیت کسی بھی تخلیق کار کو اس کی ثقافتی شعریات کا پروردہ قرار دیتی ہے۔ یوں وہ اس ادیب کے تمام نظریات اور تخلیقی عمل کو ثقافت کا حصہ قرار دیتی ہے اور ادب سے وابستہ سیاسی، سماجی، تہذیبی تصورات کو غیر جانب دارانہ طریقے سے پرکھتے ہوئے انھیں تاریخ کے حقائق کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ اس دوران وہ یہ دیکھتی ہے کہ کسی بھی مخصوص عہد کے یہ عناصر جنھیں اس عہد کی با اختیار قوتیں متشکل کرتی ہیں وہ ادبی متون پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ نیز ان ادبی متون میں ان رجحانات کی واضح یا پوشیدہ عناصر پر ان قوتوں کی جانب سے آنے والا جبر کا رد عمل بھی نو تاریخیت کا اہم موضوع ہے۔

14- ہر تخلیق کار ایک مخصوص ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے جو طاقتور اقتدار کے ہاتھوں تشکیل پاتا ہے۔ یہ اقتداری طاقتیں ماحول کی نقشہ گری خود کرتے ہیں۔ جس میں ان کی خواہشات اور مفادات کے الگ نقوش واضح ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ادیب فن پارہ منظر عام پر لاتا ہے تو اس کے ارد گرد کا ماحول اور سماجی و ثقافتی رویے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کی تحریروں میں چھلکنے لگتے ہیں۔ تاہم اس نتیجے میں اس کے عہد کے طاقتور اقتدار کے جبر کا عکس جو اس کی تخلیق میں کسی روزن، شگاف یا دراڑ کی صورت رہ جاتا ہے، کسی دوسرے عہد میں اس کی بازیافت کو نو تاریخیت آسان بنا دیتی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو نو تاریخیت کا کام وہ روزوں، شگاف یا خلا پُر کرنا ہے جو تخلیق کار اپنے عہد کے طاقتور استعمار یا حکمرانوں کے خوف سے صفحہ قرطاس پر لانے سے ڈرتا ہے۔

15- نو تاریخیت تاریخ کو محض ایک متن تصور کرتی ہے اور ادب اور تاریخ کے مابین ان بیانات کو متشکل کرنے والی مقتدر قوتوں کا سراغ لگاتے ہوئے طاقتور اقتدار کی سازشوں کو بے نقاب کرتی ہے جو تاریخی حقائق کو اپنی مرضی سے ترتیب دیتے ہیں اور عوام کو غیر محسوس انداز سے ذہن سازی کے ان مراحل سے گزارتے ہیں جن کے بعد انھیں خود پر مسلط کیا گیا ظلم اور جبر قطعی محسوس نہیں ہوتا۔ یوں طاقتور اقتدار کی مرضی کے مطابق تاریخی متون کی متن سازی کرنے والے مورخین تاریخی حقائق کو دھندلا غیر شفاف اور مبالغہ آمیز بنانے میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ نو تاریخیت ان تمام مسائل کا سدباب کرتی ہے۔

16- نو تاریخیت ان مقتدر قوتوں کی سازشوں کا سراغ لگاتی ہے جو سماجی ناہمواریوں کو اپنے مفادات کیشکل میں استعمال کرتے ہیں عموماً تاریخ کے ستون میں دکھایا جاتا ہے کہ کس طرح ایک غالب نظریہ اپنے عہد میں واقع دیگر نظریات کو نظر انداز کر کے بالکل ختم کر دیتا ہے اور خود کو اعلیٰ قرار دے کر باقی سب پر حاوی ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں اس غالب اور بہترین نظریے کو پذیرائی دینے والے طبقات

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

دراصل مقتدر قوتوں کی ایماپر ہی سرگرم عمل ہوتے ہی جو ان کے مفادات کو ایک خاص قسم کی ذہن سازی کے ساتھ فروغ دیتے ہیں یہ مقتدر قوتیں اپنے تیار کیے گئے بیانیوں کی وجہ سے نہ صرف اپنی برائیوں پر پردہ ڈالنے میں ماہر ہوتی ہیں بلکہ اپنی طاقت کے بل پر عوام کے ان سرگرم افراد کا راستہ بھی مسدود کر دیتی ہیں جو طاقت کے ان بیانیوں کے خلاف متحد ہو جائیں۔

نئی تاریخیت کا باقاعدہ آغاز امریکہ کی کیلیفورنیا یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اسٹیفن گرین بلاٹ(STEPHEN GREEN BLATT) کی تحریروں سے ہوا جبکہ برطانیہ میں ریمنڈ ولیمز (RAYMOND WILLIAMS) کی تحریروں نے نئی تاریخیت کی اصطلاح کو ثقافتی مطالعات، کے نام سے واضح کیا۔ اسٹیفن گرین بلاٹ اور ریمنڈز ولیمز کی ان نئی اختراعات کا سہرا اطالوی فلسفی فوکو(1688-1744)کے خیالات کے سر بندھتا ہے۔ بعدازاں آلتھیوسے اور باختن کے نظریات نے رنگ جمایا تو یہ تمام نظریات نئی تاریخیت کے دبستان کی صورت میں متشکل ہو کر سامنے آئے اور تاریخ کو نئے مفاہیم پہنائے۔

اسٹیفن گرین بلاٹ(STEPHEN GREEN BLATT) نے 1987 میں نو تاریخیت پر مشتمل اپنا ایک مضمون پیش کیا جس میں اس نے نو تاریخیت کے بنیادی مباحث پر روشنی ڈالی گویا اسی کی دھائی میں گرین بلاٹ نے سولہویں صدی سے متعلق ادب کا تاریخی و ثقافتی تناظر میں جائزہ لیا۔ اس کے لیے اس نے اپنے رسالے کا خصوصی نمبر شائع کیا اور ادب کو ظہور میں لاتے ہوئے تمام ثقافتی حقائق پر کھل کر لکھا۔ اس مضمون میں اسٹیفن نے ادب کی داخلی خود مختاری اور آزادی کے تصور کو مسترد کر کے ادب کو اس کے سیاسی، ثقافتی اور سماجی اثرات کا پابند قرار دیا۔ اس نے ادب کی موضوعیت، ثقافتی شعریات اور سماجی تفاعلات کی حمایت کی اور ادب، ثقافت اور تاریخ کو مربوط کر کے سمجھنے پر اصرار کیا۔ یوں اسٹیفن گرین بلاٹ کے نظریے نو تاریخیت کے ڈانڈے پس ساختیات سے جا ملتے ہیں۔

اسٹیفن گرین بلاٹ کی کتاب Renaissance Self-Fashioning 1980 میں شکاگو سے شائع ہوئی۔ جس میں سولہویں صدی سے تعلق رکھنے والے الزبیتھ عہد کے فن پاروں کا ثقافتی طور پر مطالعہ پیش کیا گیا اس مطالعے میں تاریخ کے ان پوشیدہ حقائق کو بے نقاب کیا گیا جو اس دور کی باقی تاریخیت میں موجود نہ تھے اسٹیفن نے انھی حقائق سے پردہ اٹھانے کے لیے اس متن پر کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ اس کے نظریہ کے مطابق کسی فن پارے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس کے ثقافتی تناظر میں دیکھا جائے نہ کہ متعلقہ ماحول سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے۔ اس کے خیال کے مطابق ہر عہد کے ادبی متن اور ثقافتی شعریات میں ایسا خفیہ تعلق ہوتا ہے جو تخلیق کار، تنقید نگار اور ثقافتی حالات کو متصل کر کے دیکھنے سے ہی سمجھ آ سکتا ہے۔ کیونکہ طاقتور حکمران یا استعماری قوتوں کے خوف سے بہت سے حقیقی واقعات حذف کر کے فرضی واقعات شامل کر دیے جاتے ہیں تاکہ مورخ یا ادیب کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ نئی تاریخیت انھیں پوشیدہ حقائق کی بازیابی پر زور دیتی ہے۔ عام طور پر چھپے ہوئے حقائق کو بازیاب کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جب کسی متن کا نو تاریخی مطالعہ کیا جاتا ہے تو تاریخ کے بہت سے نئے مفہوم سامنے آتے ہیں۔ تاریخی اور ادبی متن کے اس تعلق کو اسٹیفن ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

> We need to develop terns to describe the ways in which material, here official documents, private papers, news paper clip pings and so forth is transferred from one discursive shere to another process as un- directional from social dis course to aesthetic not only because the aesthetic discourse in this case is so entirely bound up with capitalist venture but because the social dis course is already charged with aesthetic energies.”[13]

گرین بلاٹ اور اس کے ساتھیوں کے نظریات نے ادبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اب ادب میں طرح طرح کے مبالغہ آمیز واقعات بھی متصور کیے جانے لگے۔ ادیب اور مؤرخ نئے نئے زاویوں سے ادب کو پرکھنے لگے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ لوگوں کے خیالات میں تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں یہاں تک کہ نئی تاریخیت نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ لہٰذا نئی تاریخیت کے لیے خاص تھیوری کا مطالبہ کیا جانے لگا لیکن گرین بلاٹ نے اس کی زبردست مخالفت کی اور 1987 میں ایک مدلل مضمون لکھا جو بعدازاں نئی تاریخیت کی بنیاد ثابت ہوا۔ بقول گرین بلاٹ:

“New historicism never was and never should be a Theory”.[14]

گرین بلاٹ نے ثابت کیا کہ تاریخی عہد کے متضاد رویوں کو سمجھنے کے لیے کسی ایک تھیوری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مفہوم کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے ہر زاویہ سے پرکھنا بے حد ضروری ہے۔ چنانچہ ادب کو آزاد ہونا چاہیے۔ گرین بلاٹ کے ساتھیوں میں برکوچ(SACVAN BERCOVITCH) میکائل فشر(FISHER) اور ایڈورڈ سعید (EDWARD SAEED) شامل ہیں۔ انھوں نے تاریخی تنقید کی بنیاد فراہم کی ہے جس کے موجودہ دورہ پر گہرے اثرات ہیں۔ گرین بلاٹ نے اسے "تہذیبی شعریات "کا نام دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نو تاریخیت رد تشکیل کا متبادل ہے تو غلط نہ ہو گا۔ یوں گرین بلاٹ، دریدا کے اس تصور کو تسلیم کرتا ہے کہ فن ہی سب کچھ ہے اور فن سے باہر کچھ نہیں ہے۔ ہمیں ماضی سے متعلق معلومات متن کی شکل میں دستیاب ہوتی ہیں۔ جس سے مراد یہ ہے کہ یہ متن ہمارا ماضی سے رشتہ قائم کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

گرین بلاٹ سے دس برس پہلے جے ڈبلیو لیور نے اپنی ایک تصنیف میں بہت سی تاریخی تحقیقات پر از سر نو انتہائی کڑا تجزیہ کیا جس کی بنیاد روایتی خاکے پر رکھی۔ لیور نے تاریخی عہد کے سیاسی واقعات پر سخت تنقیدی تبصرہ کیا تھا جو موجودہ عہد میں نئی تاریخیت سے میل کھاتا دکھائی دیتا ہے۔

گرین بلاٹ نے نشاۃ ثانیہ کے ڈراموں کا تنقیدی جائزہ اس عہد کی خوفزدہ نو آبادیاتی حکمت عملیوں کے استعماری شازشوں کے تناظر میں لیا، جو استعمار نے اپنے وسیع تر مفادات کے حصول لیے بنائے تھے اس نے اپنے تنقیدی جائزے میں استعماری نظام کے انسانیت پسند خول کو اتار کر بربریت، غلامانہ تشدد اور ظلم وجور کی اصلی شکل دکھائی۔ جس پر اس سے پہلے کی تاریخوں نے پردہ ڈال رکھا تھا۔

نو تاریخی نقاد چونکہ متن کے ذریعے مصنف کے عقائد و نظریات، ذہنی کیفیات، خوف، پسند و ناپسند اور تعصبات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لہٰذا گرین بلاٹ نے بھی نشاۃ ثانیہ کے متن کے ذریعے حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ گرین بلاٹ کی تحقیق کے مطابق اس دور کے تخلیق کار اپنے حکمرانوں، مذہبی راہنماوں، عدالتوں، خاندانی رسم و رواج اور انجیل کے احکامات کے پوری طرح پابند تھے۔ یہ وہ زبردست قوتیں تھیں جو ان کی ذہن سازی اور عمل کا تعین کرتی تھیں۔ کیونکہ مذہبی اور معاشرتی حد بندیاں توڑنے والے کو معاشرہ قبول نہ کرتا اور وہ اپنے آپ میں تنہا رہ جاتا۔ ان ساری کڑیوں کو ملانے کے بعد گرین بلاٹ نے نشاۃ ثانیہ کے
پوشیدہ حقائق کو بے نقاب کیا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ادبی متن کے تجزیے کے علاوہ گرین بلاٹ نے نشاۃ ثانیہ کے پرنٹنگ پریس کی ایجاد اور عوام وخواص کی زندگی پر اس کے اثرات کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ بلاٹ کی تحقیق کے مطابق پریس ایجاد ہونے کے بعد تحقیق محض ایک تحریری کتاب نہیں رہی بلکہ یہ ایک "طاقتور ہتھیار" کی شکل اختیار کر گئی ہے کیونکہ اس نے معاشرے کی اصلاح کے لیے نئی اصطلاحات اور تربیت کے لیے نئے افکار دیے ہیں۔ گرین بلاٹ کے نزدیک پریس سے وہی چیز چھپ کر نکلتی ہے جیسے معاشرہ قبول کرے اور جو معاشرے کی روایات متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرے۔ ایک لحاظ سے پریس کی پشت پر "آئیڈیالوجی" کا نظریہ کام کرتا ہے۔ دراصل آئیڈیالوجی کا تصور "مارکس" کی دین ہے۔ گویا نو تاریخیت ساختیات سے متاثر ہے۔ مارکس کے ہاں تاریخ ایک روایتی فلسفہ ہی نہیں بلکہ تاریخی مادیت ہے جو مسلسل تغیر پذیر رہتی ہے یوں مارکسی نقاد ادب کو معاشرتی آویزش کا آلہ قرار دیتا ہے جو ترقی کے مدارج طے کرنے کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مارکسی نظریے کے مطابق تاریخی واقعات بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اور ادب پوری ایمانداری سے ان واقعات کی حقیقی تصویریں پیش کرتا ہے۔

مارکسی فکر کو نئے معنی نومارکسی اور پس ساختیات کے حامیوں نے پہنچائے کیونکہ تاریخی تنقید کو بعض نومارکسی اور بعض غیر مارکسی تاریخ نگاروں نے نو تاریخیت کا نام دیا ہے۔ یوں نو تاریخی طریقہ کار نومارکسی طرز تنقید کی اگلی شکل ہے۔ پس کہنا درست ہوگا کہ جدید فکر میں ساختیات اور پس ساختیات کے زیادہ تر نظریات دکھائی دیتے ہیں۔

امریکہ میں گرین بلاٹ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ برطانیہ میں بھی "نئی تاریخیت" کے نظریے کو تہذیبی مادیت (CULTURAL MATERIALISM) کے نام سے فروغ ملا۔ برطانیہ میں "تہذیبی مادیت" کا نظریہ ریمنڈ ولیمز (RAYMOND WILLIAMS) نے اپنی کتاب (MARXISM AND LITERATURE) میں پیش کیا۔ ریمنڈ ولیمز کے اس نظریے کی حمایت ڈولی مور، کیتھرین بیلسی، فرانسیس بارکر اور ایلن سن فیلڈ نے کی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ برطانوی نظریات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں لیکن نئی تاریخیت پر پس ساختیات کی چھاپ ہر ایک کے ہاں پائی جاتی ہے۔ کسی کے ہاں اس کا تناسب زیادہ ہے اور کسی کے ہاں کم لیکن "پس ساختیات" ہی وہ واحد کڑی ہے جو سب کے نظریات کو ایک وحدت میں پروتی ہے۔ امریکی نو تاریخیت اور برطانوی "ثقافتی مادیت" نے اپنے مخصوص نظریے کی بدولت تاریخ کے گمشدہ واقعات تک رسائی کی کوشش کی جس سے ادب اور تاریخ کا رشتہ مزید گہرا ہو گیا۔ یوں ادبی متن کی اہمیت تاریخی متن کے برابر ہو گئی۔ دونوں مکاتیب چند ایک اختلافات کے بعد اس نتیجے تک پہنچے کہ ہم تک پہنچائی جانے والی تاریخ درحقیقت ماضی میں گزرے ان واقعات کا بیان ہے جو مختلف مورخین نے طاقتور اقتدار کی مرضی سے تشکیل دیا ہوتا ہے۔ اس متن پر سماجی مذہبی اور معاشرتی اجارہ داری کی چھاپ ہوتی ہے یوں وہ طاقتور کے زور پر معاشرے میں اپنے خیالات رائج کرتے ہیں۔

امریکہ اور برطانیہ کے ان نظریات نے جہاں تاریخ کے حتمی تصور کو رد کیا وہیں کسی مورخ کے تاریخی عہد کے بارے میں کیے گئے استناد کو بھی سراسر غلط اور جھوٹ پر مبنی قرار دیا ہے۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ نو تاریخیت تاریخ کو ایک متن کی شکل میں دیکھنے کا نظریہ ہے۔ اس کے نزدیک تاریخ ایک بیانیے سے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ یہاں اگر کسی چیز کو اہمیت حاصل ہے تو وہ ادبی متن ہے جو کسی بھی تاریخ کا حقیقی عکاس ہوتا ہے۔ اس تمام بحث سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ نئی تاریخیت نئی تنقید، ساختیات اور رد تشکیل کے رد عمل میں سامنے آئی۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس بارے میں فرماتے ہیں:

> "ساٹھ کی دہائی میں ساختیات اور اس کے بعد پس ساختیات کا نظریاتی اور نیو کریٹسزم پر تھا جس کی بنیادیں انفرادیت پرستی پر قائم تھیں۔ ساختیاتی اور پس ساختیاتی فکر نے ادب کی معنی خیزی کے عمل میں ثقافت کے تفاعل کی راہ کھول دی لیکن چونکہ نوعیت کے اعتبار سے یہ مطالعات DIACHRONIC نہ ہو کر SYNCHRONIC یعنی یک زمانی تھے، اور رد تشکیل (DECONSTRUCTION) کا انحصار فقط متنیت پر تھا، چنانچہ نیو کرٹزم اور رد تشکیل سمیت ان تمام رویوں کے خلاف جو فقط زبان یا فقط لسانیات یا فقط متنیت پر زور دیتے ہیں، رفتہ رفتہ ایک بغاوت رونما ہوئی اور نتیجتاً ادبی مطالعہ کا جو نیا طور سامنے آیا، اس کو نئی تاریخیت (NEW HISTORICISM) کے نام سے جانا جاتا ہے۔"۔[15]

امریکہ اور برطانیہ میں نئی تاریخیت کے نظریہ سازوں سے بھی بہت پہلے اطالیہ کا ایک فلسفی مشل فوکو (1688-1744) پہلا نقاد ہے جس نے 1725 میں ادب اور تاریخ کے باہمی رشتے کو تاریخی سائیکل کے نام سے تعارف کرایا۔ اس نے تاریخی واقعات کو ایک سائیکل کی صورت نہ ختم ہونے والے سلسلے سے تعبیر کیا ہے۔ جس میں لحہ بہ لحہ حالات بدلتے ہیں کبھی خونریزی تو کبھی اتحاد کی فضا نظر آتی ہے۔ ہر دور میں تاریخ میں معاشرتی، سیاسی اخلاقی اور لسانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ شکست وریخت کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وقت کا پہیہ دوبارہ گھومتا ہے اور نیا دور نئے سیاسی، معاشرتی اور لسانی تقاضوں کے ساتھ جنم لیتا ہے۔ یوں اس سائیکل کی ایک نئی گردش شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حاوی اقتدار وقت کے پہیے کی گردش کا شکار ہو کر بام عروج پر پہنچتا ہے اور زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی زوال ایک نئے ماحول اور اقدار کو پھر سے جنم دیتا ہے۔ پس یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔

مشل فوکو درحقیقت "پس ساختیاتی' مفکر ہے۔ فوکو کے نزدیک معاشرتی طاقت کے منابع ہی متن کو ترتیب دیتے ہیں اور اسے عوام الناس میں رائج کرتے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح سیاسی راہنما اپنی لغزشوں کو اعلیٰ کرداروں کی آڑ لے کر مخفی کرتے ہیں اور اپنی طاقت کو مضبوط کرتے ہیں فوکو کے نزدیک تاریخ میں دکھائے جانے والے نیک، پرہیز گار عدل وانصاف کے داعی وہی انسان ہوتے ہیں جنھیں سیاسی اقتدار نشان زد کرتا ہے۔ یوں ایک جھوٹا اور من گھڑت متن عوام کے سامنے آتا ہے جس کا حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا کیونکہ علم میں صداقت یا عدم صداقت کا تعین طاقتور سیاسی اقتدار کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ فوکو متن کے لیے "ڈسکورس" لفظ استعمال کرتا ہے۔ فوکو کے ان خیالات سے ملتے جلتے خیالات ان کے ایک ساتھی لوئی آلتھیوسے کے بھی ہیں۔

آلتھیوسے فوکو کی طرح ادب کا تعلق آئیڈیالوجی سے جوڑتا ہے وہ آئیڈیالوجی کے سابقہ تصور جس کے مطابق آئیڈیل شخصیات مذہبی کتابوں یا قصے کہانیوں میں دکھائی جاتی تھیں کو مکمل طور پر رد کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک آئیڈیالوجی کا نیا مفہوم وہی ہے جو طاقت کے منابع متن یا ڈسکورس میں سیاسی، مذہبی اور معاشرتی نظام متعین کرتا ہے۔ یوں آئیڈیالوجی متن کو متعین کرتی ہے کہ اسے کیسا ہونا چاہیے۔ فوکو اور آلتھیوسے کے نظریات کا علیحدہ علیحدہ تجزیہ کرنے کے بعد ثابت ہوتا کہ یہ دونوں مفکرین ایک جیسے افکار کے حامل تھے۔ دونوں کی تحقیق کے مطابق ڈسکورس میں "آئیڈیالوجی" کا تعین سماجی ادارے کرتے ہیں اور یوں اس (آئیڈیالوجی) کے سائے تلے معاشرتی بے اعتدالیاں اور ناانصافیاں پنپتی رہتی ہیں۔ فوکو اور آلتھیوسے کے انھی نظریات کو امریکہ کے اسٹیفن گرین بلاٹ، برکوچ، میکائیل فشر اور ایڈورڈ سعید اور برطانیہ کے مارکسی نقاد ریمنڈ ولیمز، جوناتھن ڈولی مور، کیتھیرین بلسے، فرانس بیکر اور ایلن سنفیلڈ نے نئے معنی پہنائے۔ جس کے نتیجے میں الزبیتھ عہد کے انگریزی مطالعات نے کایا پلٹی اور ماضی کے

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مفروضات کو رد کر کے طاقت کے بیانیہ کو بے نقاب کیا گیا۔ یوں یورپ میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور ادب کی اہمیت بھی تاریخ کے برابر ہو گئی۔ اس ضمن میں فوکو کے "نئی تاریخیت" کے بارے میں خیالات کو ویسنٹ بی لیتھ (VICENT BLEITH) یوں بیان کرتا ہے:

"New Historicism accepts Focault's insistence that power operates through myriad capillary channels these include not just direct coercion and governmental action but also, crucially, daily routines and language. Because discourse organized perception of the world by its categorical groupings and because symbols bind social agents emotionally to institutions and practices, conflicts over images resonate throughout the social order."[16]

فکری سطح پر جب "تاریخیت" نے اپنی پہچان بنالی تو اس کے افکار کو دوسرے علوم میں بھی برتا جانے لگا۔ چونکہ اس کا تعلق تاریخ سے ہے لہٰذا جہاں جہاں تاریخ کے حوالے سے تحقیق ہوئی "نو تاریخیت" وہیں اپنے افکار ثبت کرتی گئی۔ نو تاریخیت کا فلسفہ اور آغاز چونکہ مغرب سے ہوا لہٰذا جب یہ ایک باقاعدہ اصطلاح کے طور پر سامنے آئی تو اس نے اردو ادب کو بھی متاثر کیا۔ اردو میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر، گوپی چند نارنگ اور عتیق اللہ نے "تاریخیت اور نو تاریخیت" کے حوالے سے اپنے نظریات پیش کیے ہیں لیکن امریکہ اور برطانیہ کے فلسفیوں کی طرح ان ناقدین کے خیالات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اس سلسلے میں الطاف انجم لکھتے ہیں:

"اُردو میں تاریخیت سے متعلق عتیق اللہ اور گوپی چند نارنگ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اول الذکر نے تاریخیت کو ادب اور تاریخ کے باہمی رشتوں کے ضمن میں برتا ہے جبکہ گوپی چند نارنگ نے بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اس کو ادب فہمی کے لیے استعمال کیا ہے۔ البتہ دونوں کے زاویہ ہائے نظر میں اختلاف کی بو بھی آتی ہے۔ وہ یہ کہ عتیق اللہ نے تاریخیت کو ادبی مطالعہ کا ایک طور مقرر کر لیا ہے جبکہ گوپی چند نارنگ نے ادب کی تخلیق میں تاریخ کے کردار کو مسترد کر دیا ہے اور اسے تخلیق کار کی انفرادی قوت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ گوپی نارنگ نے ادب کے INSTRINSIC نظریہ بنیاد پر مطالعہ کو اہم قرار دیا ہے جبکہ عتیق اللہ نے تاریخیت کے EXTRINSIC زاویہ پر اپنا زیادہ زور دیا ہے۔ اس کے نزدیک ادب تاریخی قوتوں اور سماجی کرداروں کی تخلیق ہے۔ ناصر عباس نے تاریخیت کو تاریخ کی فلسفانہ بصیرت کا نام دیا ہے۔ اس کے لفظوں میں تاریخیت "تاریخ" نہیں ہے لیکن تاریخ سے باہر بھی نہیں ہے"۔[17]

محولا بالا گفتگو سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ ان تینوں ناقدین کے ہاں تاریخیت کی تعریف مختلف ضرور ہے لیکن اس میں کسی نہ کسی انداز سے یکسانیت کے رنگ بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ جہاں جہاں اختلاف دکھائی دیتا ہے وہ ان کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس گوپی چند نارنگ اور عتیق اللہ کے "نو تاریخیت" کے بارے میں بیان کیے گئے نظریات کی اردو ادب میں وہی حیثیت ہے جو امریکہ میں گرین بلاٹ، بر کوچ، میکائیل فشر اور ایڈورڈ سعید اور برطانیہ کے ریمنڈ ولیمز، جوناتھن ڈولی مور، کیتھرین بلسے، فرانسس بیکر اور ایلن سنفیلڈ کو حاصل ہے ہوئی۔ جس طرح امریکہ اور برطانیہ کے نظریہ ساز بعد میں آنے والوں کے لیے مشعل بنے بالکل اسی طرح اردو ادب کے ابتدائی نظریہ ساز ڈاکٹر ناصر عباس، گوپی چند نارنگ اور عتیق اللہ ہیں۔ ان کے "نو تاریخیت" کے حوالے سے لکھے گئے مقالے ادب کی تفہیم و تجزیہ میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ کیونکہ اُردو ادب میں اس سے پہلے اس نظریے پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔

مابعد جدید تنقید کے بہت سے دوسرے نظریات کی طرح نئی تاریخیت نے بھی اُردو ادب کا حصہ بننے کے لیے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ اس کی بے شمار وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ دور حاضر کے بعض ناقدین اپنی عمر کا ایک خاص حصہ جس نظریے یا تحریک سے وابستہ ہوئے ان کی ذات پر اس کے اثرات اتنے گہرے مرتب ہوئے کہ انھوں نے کسی بھی نئے نظریے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرا بعض ناقدین کے خیال کے مطابق نئے نظریات کی وجہ سے ادب کی فضا خراب ہونے کا خدشہ تھا کیونکہ کسی بھی نئی چیز کو اپنانے سے ادب میں تبدیلی رونما ہوتی اور باقیوں کی طرح انھیں بھی اس تبدیلی کو قبول کر کے نئے سرے سے ادب کو ترتیب دینے کے لیے محنت کرنا پڑتی جس کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اس نئے نظریے کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا بعض کے خیال کے مطابق ادب میں ان کی موجودہ حیثیت مرکزی ہے۔ اگر نیا نظریہ اپنایا گیا تو ہو سکتا ہے موضوع پر ان کی گرفت مضبوط نہ رہے اور وہ عروج کی منازل طے کرنے کی بجائے زوال کا شکار ہو جائیں۔ تمام وجوہات نے نئے نظریے کی رکاوٹ بنیں۔ لیکن ان سب رکاوٹوں کے باوجود "نئی تاریخیت" ادب میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب رہی ہے۔

یہاں نو تاریخیت کی ضرورت و اہمیت پر بات کی جائے تو یہ بات مسلمہ ہے کہ ادب کا نو تاریخ مطالعہ معنی اور سوچ کی نئی پرتیں کھول دے گا جس کی روشنی میں مستقبل کی اقوام اپنی راہیں متعین کر سکتی ہیں۔ وہ ماضی کی غلطیوں اور لغزشوں سے سبق حاصل کر کے ان سے احتراض برت کر کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تاریخ میں چھپے ہوئے سچ کو سامنے لایا جائے۔ جو تاریخ کے نو تاریخی مطالعے سے ہی ممکن ہے۔ اس سے تاریخ کے درست، حقیقی اور مستند حقائق تک رسائی ممکن ہو جائے گی۔

"نو تاریخیت" کی اہمیت اس لحاظ سے بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ اس سے "نقاد کا مقام بھی "مورخ" کے برابر ہو جائے گا۔ کیونکہ تاریخ دان کے بیان کردہ واقعات کو چھان بین کر کے ان کی حقیقی شکل میں دکھانے کی ذمہ داری نقاد کے کندھوں پر ہے۔ جس کو احسن طور پر نبھایا جائے تو نقاد کا مقام مورخ سے کہیں آگے ہو۔ بعض اوقات حالات کے جبر سے مجبور ہو کر یا مقتدر قوتوں کے شر سے بچنے کے لیے مزاحمت کرنے والوں کو واضح طور پر ادبی متن کا حصہ نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ ایسی شخصیات کو متن کے سیاق میں مخفی کر دیا جاتا ہے۔ یوں متن جو تاریخ کی تفہیم کا واحد ذریعہ ہوتا ہے کی حیثیت من گھڑت اور جھوٹے واقعات کی تفسیر کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسی صورتحال میں مستند تاریخ تک رسائی مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جاتی ہے۔ یوں اصل تاریخ میں طاقت ور، ظالم اور کمزور، مظلوم کی ان گنت حقیقتیں دیکھنے کو ملتی ہیں جو تحریف شدہ تاریخ میں گرفت میں نہیں لی جا سکتیں۔ لیکن "نو تاریخی" مطالعہ سے تاریخ کے مضمر واقعات سے پردہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ "نو تاریخیت" ان ادیبوں کے تخلیقی متن کے مطالعے کو تاریخ کی ایک مستند اساس فراہم کرنے کا وسیلہ بن سکتی ہے۔

Vol.5 No.2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

نو تاریخیت کی ضرورت اہمیت کے حوالے سے کچھ ناقدین کی آرا یہ ہیں۔ گوپی چند نارنگ "نو تاریخیت" کی ضرورت و اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ثقافتی مطالعات کا یہ رُخ بھی قابل قدر ہے کہ طاقت کے کھیل کو بے نقاب کرتے ہوئے احتجاجی اور متخالف عناصر کو بھی نشان زد کیا جائے تا کہ تغیر و تبدیل اور ارتقا کے رازوں کو بہتر طریقے پر سمجھا جا سکے اور ادب اور تاریخ نیز ادب اور ثقافت کے رشتوں کی زیادہ جامع اور گہری جانکاری سے ادب کیا فہام و تفہیم اور تحسین میں مدد لی جا سکے۔ اردو میں اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ جدیدیت کی کوتاہیوں کو دور کرنے کی ایک اہم راہ نئی تاریخیت ہے۔"[18]

ریاض صدیقی اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

"بین الاقوامی ادب میں "نو تاریخیت" کا رجحان اسی لیے قابل توجہ ہے کہ وہ ہمیں ماضی کے حقائق تک پہنچاتا ہے"[19]

پروفیسر عتیق اللہ کی رائے یہ کہ:

"ہر عہد کا نظام اقدار ذوق اور جمالیاتی مقتضیات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ایک سطح پر ایک ایسی معروضیت پیدا کرنا ضروری ہے کہ اپنے عہد سے پرے ہو کر بھی حقائق کا تجربہ کیا جا سکے۔"[20]

پروفیسر عتیق اللہ کے نزدیک:

"نو تاریخیت "ادیب کی زندگی اور دوسرے لفظوں میں اس کی ذہنی زندگی پر دباؤ ڈالنے والے اداروں اور صیغہ ہائے اختیار کا پتہ لگاتی ہے۔ جو طاقت کے طور پر اس کی تحریر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً خاندانی روایات مذہبی اور نیم مذہبی عقائد اور رسوم، حکومتِ وقت کے سخت گیر رویے وغیرہ یہ تمام قوتیں ایک دوسرے کی طاقت میں اضافہ کرتی ہیں۔"[21]

ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے خیالات بھی ملاحظہ ہوں:

"مطالعہ تاریخ بالعموم دو رخ اختیار کرتا ہے یا تو عمومی تاریخی عمل کو سمجھنے اور تاریخ کے آہنگ کو دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر تاریخی بیانیے کے اسالیب اور مطالعاتی حکمت عملیوں کا تنقیدی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مطالعے کے یہ دونوں رخ، تاریخ کی ماہیت اور قدر مرتب کرتے ہیں جسے تاریخیت بروئے کار لاتی ہے۔ یہ بات بطور خاص پیش نظر رہے کہ تاریخیت، تاریخ سے الگ نہیں، مگر تاریخ کے مساوی بھی نہیں"۔[22]

مندرجہ بالا بحث یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اردو ادب میں "نو تاریخیت" کے نظریے کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضمن میں کی گئی تنقید ادبی و تاریخی متون کی باہمی ہم آہنگی کا رشتہ دریافت کرتی ہے اور ان ثقافتی شعریات کی بنیاد ڈالتی ہے جو ادب اور تاریخ کے درمیان ابتدا ہی سے موجود رہی ہیں۔ ادبی مطالعے میں نو تاریخیت کے مقاصد متعین کیے جائیں تو وہ کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں:

1۔ نو تاریخی نقاد کا مقصد تاریخ کے چھپے ہوئے حقائق کو پردے سے باہر لانا ہوتا ہے۔

2۔ ادبی مطالعے میں شفاف اور حقیقت پر مبنی واقعات ابھار کر لوگوں کو ادب کی طرف مائل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

3۔ ادبی مطالعے میں نو تاریخیت کا ایک مقصد قاری تک درست متن پہنچانے کے ساتھ ساتھ غلط اور درست یعنی خیر اور شر میں حد امتیاز قائم کرنا بھی ہوتا ہے۔

4۔ نو تاریخی مطالعے سے ماضی میں کی جانے والی خامیوں تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ آنے والے دور میں خوبیوں کو مزید نکھارا جاتا ہے۔ جبکہ خامیوں کو پہچان کر انھیں دور کرنے کی دوشش کی جاتی ہے۔

5۔ نو تاریخی مطالعہ ادبی متون کی تفہیم میں مقامی، سیاسی اور سماجی سیاقوں کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔

6۔ طاقت کے کھیل کو بے نقاب کر کے ماضی کی تشکیل نو کرنا۔

پس نئی تاریخ کا موقف یہ ہے کہ سماجی اور معاشرتی مطالعے سے تاریخ سے وابستہ رہا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، ص214

2۔ شان الحق حقی، مرتب، فرہنگ تلفظ، پاکستان: مقتدرہ قومی زبان؟ س ن، ص 271

3۔ وحید الزمان قاسمی کیرانوی؛ مولانا، مولف، القاموس الوحید، لاہور: ادارہ اسلامیات، ص118

4۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ 1962، ص48

5.D.V.GAWROVDKI,HISTORY MEANING AND METHO,ENCYCLOPEDIA‹BRITANICA , PAGE 40

6.RUSSEL BERTNARD ,A HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY,NEW YORK,1945,PAGE 85

7۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ص59

8۔ گوپی چند نارنگ، پروفیسر، جدیدیت کے بعد، دلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2005، ص60

9۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، جدید اور مابعد جدید تنقید، پاکستان: انجمن ترقی اردو، ص246

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

10۔ناصر عباس نیر،ڈاکٹر،جدید اور مابعد جدید تنقید،ص250

11۔عتیق اللہ،پروفیسر،تعصبات،نئی دلی:ایم آر پبلیکیشنز،2005،ص99

12.SHARAD RAJIMWALE,DICTIONARY OF LITERARY TERMS,K S PAPER BACKS NEW DELHI ,INDIA PAGE 296

13.STEPHEN GREEN BLATT ,TOWARDS A POETIC OF CULTURE ,ESSAY FROM NEW HISTORICISM,COMPILED BY H.ARAM VESSER,PUBLISHED BY ROUTLEDGE TAYLOR AND FRANCIS GROUP LONDON AND NEW YORK,2013 PAGE 110

14.TOWARDS A POETIC OF CULTURE PAGE 15

15۔گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،ساختیات،پس ساختیات اور مشرقی شعریات،نئی دہلی:قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،2004،ص595

16.VINCENT B LEITH

17۔الطاف انجم،اردو میں مابعد جدید تنقید،دہلی:ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس،2005،ص51

18۔گوپی چند نارنگ،پروفیسر،جدیدیت کے بعد،ص51

19۔ریاض صدیقی،اردو تنقید کا مسئلہ اور نو تاریخیت،اوراق،مارچ1995

20۔عتیق اللہ،پروفیسر،ترقی پسندی،جدیدیت اور مابعد جدیدیت،دہلی بھارت آفسٹ،2002،مرتب از ڈاکٹر ندیم احمد،ص80

21۔عتیق اللہ،پروفیسر،تعصبات،ص120

22۔ناصر عباس نیر،ڈاکٹر،جدید اور مابعد جدید تنقید،ص246